ابن قیمؒ کی جانب منسوب

کتابُ الفوائدِ المشوق الیٰ علوم القرآن

کا اصل مصنّف ـــــ ایک تازہ تحقیق

زکریا سعید علی

ترجمہ وتلخیص: ضیاء الرحمٰن فلاحی اعظمی

"کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان" ایک معروف کتاب ہے اور امام ابن القیم (۷۵۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۲۷ھ[1] میں محمد امین الخانجی الکتبی[2] کے خرچ پر قاہرہ سے شائع ہوا اور اس کی تصحیح کا کام محمد بدرالدین النعسانی[3] نے انجام دیا تھا۔[4]

عربی کے نامور ادیب مصطفیٰ صادق رافعی نے اس کتاب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اگر تم قرآن مجید میں بلاغت کی اقسام اور ہر قسم کی مثالیں جاننا چاہتے ہو تو اس مقصد کے لئے ابن قیم کی کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان سے زیادہ مفید اور جامع کتاب کوئی اور نہیں۔ مصنّف نے اس کتاب کی ترتیب میں فن بلاغت کی امہات کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ساری کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے"[5]۔ رافعی نے ایک اور جگہ بھی اس کتاب کی جامعیت کی جانب اشارہ کیا ہے اور امام رازیؒ (۶۰۶ھ) اور ابن ابی الاصبع (۶۵۴ھ) کے بعد ابن القیم (۷۵۱ھ) کا ذکر کیا ہے۔[6]

ڈاکٹر احمد مطلوب نے اپنے تحقیقی مقالہ "البلاغۃ عند السکاکی" میں اس کتاب کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب سکاکی کے اثر سے خالی اور فن بلاغت پر ایک جداگانہ طرز کی مالک ہے، نیز یہ کہ اس کا تعلق ضیاء الدین ابن الاثیر کے تنقیدی اسکول سے ہے۔[7]

ڈاکٹر شوقی ضیف کی کتاب "البلاغۃ ـــــ تطور و تاریخ" میں بھی اس کتاب کا سرسری تذکرہ آیا ہے۔[8]

مذکورہ بالا تصنیفات میں سے کسی میں بھی ابن القیم کی جانب اس کتاب کی نسبت کی

صحت یا عدم صحت سے تعرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ تمام ہی لوگوں نے اسے ایک مسلمہ کے طور پر قبول کیا ہے لیکن میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے ابتدا ہی سے اس نسبت کی صحت مشکوک نظر آئی اور جتنا ہی اس کتاب سے قریب ہوتا گیا اس شک میں اضافہ ہوتا گیا میں نے دیکھا کہ اس کتاب کا وہ مزاج و انداز ہی نہیں جو ابن القیم کی دوسری کتابوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ میرے نزدیک یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی مصنف کی تحریروں میں طرزِ ادا کا اتنا اختلاف پایا جائے۔

چنانچہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے میں نے "نقد سند و متن" کا طریقہ اختیار کیا جو اسلامی علوم کی تاریخ میں قدیم زمانے سے متعارف ہے، جس کی داغ بیل علمائے حدیث نے ڈالی اور انہی کے واسطے سے دوسرے علوم میں بھی اس کا رواج ہوا۔

نقد سند کے لئے ان تمام مآخذ کی جانب رجوع کرنا ضروری تھا جن میں ابن قیمؒ کی سوانح اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے اس غرض سے طبقات و تراجم، فہارس کتب اور مصنفین کے تذکروں کا مطالعہ شروع کیا۔ ابھی کچھ دور ہی چلا تھا کہ مجھے استاذ بکر ابو زید کی تصنیف "ابن قیم الجوزیۃ، حیاتہ وآثارہ" مل گئی۔ اس کتاب میں ابن قیم کی تصنیفات کے استقصاء اور توثیق کا کام بڑی دیدہ ریزی سے انجام دیا گیا ہے۔ استاذ بکر نے یہ بات بڑے وثوق سے کہی ہے کہ "الفوائد المشوق" کی طباعت سے قبل اسے کسی نے ابن قیمؒ کی جانب منسوب نہیں کیا۔[۹] موصوف نے ابن قیم کی تصنیفات کے استقصار کے لئے جن مآخذ کی طرف رجوع کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:[۱۰]

۱۔ ابن قیم کے شاگرد صلاح الدین صفدی (۷۶۴ھ) کی الوافی بالوفیات۔

۲۔ دوسرے شاگرد ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) کی الذیل علی طبقات الحنابلہ۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی الدرر الکامنۃ۔

۴۔ ابن تغری بردی (۸۷۴ھ) کی المنہل الصافی۔

۵۔ سیوطی (۹۱۱ھ) کی بغیۃ الوعاۃ۔

۶۔ داؤدی (۹۵۴ھ) کی طبقات المفسرین۔

۷۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۷ھ) کی کشف الظنون

۸۔ ابن العماد (۱۰۸۹ھ) کی شذرات الذہب

۹۔ شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی البدر الطالع

۱۰۔ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) کی التاج المکلل

۱۱۔ اسماعیل پاشا بغدادی (۱۳۳۹ھ) کی ہدیۃ العارفین

مذکورہ بالا سارے مراجع میں ابن قیم کی تصنیفات کا تذکرہ ہے مگر "الفوائد المشوق الی علوم القرآن" نام کی کوئی کتاب ان میں مذکور نہیں۔ یہ ایسی بات ہے جو ابن قیم کی جانب اس کتاب کی نسبت کو سخت مشکوک بناتی ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ابن قیم کی کوئی کتاب سات سو تک علمائے امت کی نگاہوں سے اوجھل رہے، کہیں اس کا ذکر مذکور نہ آئے۔ پھر اچانک اس زمانے میں وہ منظر عام پر آجائے۔

یہ تو تھا "نقد سند" کے پہلو سے اس مسئلہ کا جائزہ، جہاں تک "نقد متن" کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں میں نے دقت نظر سے کتاب کا مطالعہ کیا جس کے نتیجہ میں یہ بات میرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ کتاب اپنے متن کے اعتبار سے بھی ابن قیم کی تصنیف ہرگز نہیں ہوسکتی دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ مجاز کے سلسلہ میں ابن قیم کا موقف بہت مشہور ہے۔ انھوں نے اس کو "طاغوت" سے تعبیر کیا ہے، اور اپنی کتاب "الصواعق المرسلہ علی الجھمیہ والمعطلہ" میں ایک مستقل باب "فی کسر الطاغوت الثالث الذی وضعتہ الجھمیۃ لتعطیل حقائق الاسماء والصفات، وھو طاغوت المجاز" کے عنوان سے باندھا ہے[۱]۔ ابن قیم نے اس کتاب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ "الفاظ کی یہ تقسیم حقیقت و مجاز شرعی تقسیم ہے نہ لغوی، شریعت میں اس طرح کی کوئی تقسیم وارد ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ اہل لغت میں سے کسی نے اس امر کی صراحت نہیں کی ہے کہ عربوں نے اپنی زبان کو حقیقت و مجاز کے دو خانوں میں بانٹ رکھا تھا۔ کسی عرب نے یہ نہیں کہا کہ یہ لفظ حقیقت ہے اور یہ مجاز۔ یہی وجہ ہے کہ خلیل سیبویہ، فراء، ابوعمرو بن العلاء اور اصمعی وغیرہ کا کلام اس بحث سے خالی ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے

بھی کسی سے یہ تقسیم منقول نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے لفظ "مجاز" کا استعمال کیا وہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی ہیں۔ ابو عبیدہ نے تفسیر پر اپنی مختصر کتاب کا نام "مجاز القرآن" رکھا۔ لیکن "مجاز" سے ان کی مراد "حقیقت" کا مقابل نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود لفظ کی تعبیر و تشریح ہے۔ بعض دوسرے علماء نے اپنی کتابوں کا نام معانی القرآن رکھا یعنی الفاظ کا معنی مقصود ابن جریر طبری وغیرہ اسی کے لئے "تاویل" کا لفظ استعمال کرتے ہیں"[۱۲]۔ بحث کے آخر میں ابن قیم فرماتے ہیں کہ "مجاز" کی اصطلاح ابتدائی تین صدیوں (جن کی فضیلت منصوص ہے) کے بعد کی پیداوار ہے اور اس کے موجد جہمیہ اور معتزلہ ہیں[۱۳]۔ پھر ابن قیم نے تقریباً ۸۰ صفحات میں حقیقت و مجاز کی اس تقسیم کے ابطال پر اصولی بحث کی ہے[۱۴]۔ اس کے بعد کلام اللہ اور کلام رسولؐ میں مجاز کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اس پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور تقریباً ۱۴۰ صفحات میں اس کا مفصل جواب دیا ہے[۱۵]۔

ابن قیم کے مندرجہ بالا اقتباس سے مجاز کے بارے میں ان کا رویہ نہایت وضاحت سے سامنے آتا ہے۔ کوئی بھی صاحب بصیرت جو اس عبارت پر غور کرے گا اور اس کتاب پر نظر ڈالے گا جو "الفوائد المشوق" کے نام سے موسوم ہے اسے یہ فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ اس کے مصنف ابن قیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کتاب میں مجاز پر بہت طویل گفتگو کی گئی ہے۔ مجاز کی چوبیس قسمیں بتائی ہیں اور ہر قسم کے تحت مزید کچھ قسمیں بھی ہیں۔ پھر قرآن مجید سے ان کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہ بحث "الفوائد المشوق" کے اس ایڈیشن میں جو ہمارے پیش نظر ہے، ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے[۱۶]۔

ڈاکٹر صبری متولی کا خیال ہے کہ کتاب الفوائد المشوق فن بلاغت میں ابن قیم کے فکری ارتقاء کے آخری مرحلہ کی نمائندگی کرتی ہے جب وہ اپنے استاذ ابن تیمیہؒ سے علیحدہ ایک مستقل راستہ پر گامزن تھے اور اپنے سابقہ موقف پر جو الصواعق المرسلہ میں گزر چکا ہے نظر ثانی کر لی تھی[۱۷]۔

ہمارے نزدیک اس رائے کی حیثیت ظن و تخمین سے زیادہ نہیں۔ اگر بفرض محال ہم مان بھی لیں کہ یہ کتاب ابن قیم ہی کی تصنیف ہے جب بھی ڈاکٹر صبری کی مذکورہ بالا رائے اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک دونوں کتابوں کا زمانۂ تصنیف معلوم نہ ہو جائے، کیونکہ اس کے بغیر قدیم و جدید اور ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کرنا ممکن نہ ہوگا۔

۲- کتاب الفوائد المشوق کے مصنف نے ایک جگہ زمخشری کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لئے ترحم کا صیغہ (رحمہ اللہ) استعمال کیا ہے[۵۱]۔ یہ بات قابل غور ہے۔ ابن القیم جیسے سلفی العقیدہ شخص سے جس کے نزدیک معتزلہ بدعتی اور گمراہ فرقوں میں سے ہیں یہ غلطی نہیں ہوسکتی۔ اور زمخشری کا شمار تو معتزلہ کے سربرآوردہ علماء میں ہوتا ہے۔ اہل سنت والجماعت میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ایک طرف معتزلہ کی گمراہیوں پر طعن و تشنیع بھی کررہا ہو اور دوسری طرف ان کے کسی امام کے لئے "رحمہ اللہ" کا صیغہ بھی استعمال کرے۔

۳- ایک اور چیز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ امام فخرالدین رازی کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے مصنف نے تعظیم و تکریم کے کلمات استعمال کئے ہیں۔ جہاں بھی ان کا نام آتا ہے اس سے پہلے لفظ "امام" ضرور لکھتے ہیں۔ مثلاً: قال الامام فخرالدین رحمہ اللہ[۵۹]۔ اسی طرح العز بن عبدالسلام کا نام بھی تکریم کے ساتھ "الشیخ الامام عزالدین بن عبد السلام[۶۰]" لکھتے ہیں یہ بات بھی ابن قیم کے اسلوب کے لئے ایک اجنبی چیز ہے۔ ان کی کسی کتاب میں بھی یہ اسلوب نہیں ملتا[۶۱]۔ العز بن عبدالسلام کا ذکر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ انھیں "الشیخ ابو محمد ابن عبد السلام" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

۴- ایک مقام پر اس کتاب میں ابوالعلاء المعری کے لئے "الشیخ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے[۶۲]۔ حالانکہ معری کے لئے ابن قیم نے ایک جگہ یہ الفاظ لکھے ہیں:

"بصارت اور بصیرت دونوں سے عاری، سگِ معرۃ النعمان جس کو ابوالعلاء المعری کہا جاتا ہے[۶۳]۔" ابن قیم کو ابوالعلا کی کنیت بھی اپنی زبان سے براہ راست ادا کرنا گوارا نہ ہوا بلکہ ان سے پہلے لفظ "المکنی" کا استعمال کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ابن قیم جیسے عفیف اللسان آدمی نے معری کے علاوہ کسی کے لئے اتنے سخت الفاظ استعمال کئے ہوں گے۔ اب "الفوائد المشوق میں ان کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہوجائے اور معری کی تعظیم میں اسے "الشیخ ابوالعلاء" کے الفاظ سے یاد کریں یہ بات کسی طرح باور کرنے کے قابل نہیں۔

۵- ابن قیم حدیث کے بلند پایہ اور وسیع النظر عالم تھے۔ سند و متن اور روایت و درایت کے اعتبار سے ان کی گراں قدر تحقیقات ہیں۔ ہمارے پاس ان کی جتنی تصنیفات ہیں وہ سب

اس کی شہادت دیتی ہیں۔ ضعیف اور ساقط روایات پر ان کی ایک مستقل کتاب المنار المنیف کے نام سے موجود ہے۔ علم حدیث میں جس شخص کا یہ رتبہ ہو اس سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جاتی کہ اس کی کسی کتاب میں موضوع احادیث داخل ہو جائیں۔ "الفوائد المشوق" نامی کتاب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں کچھ تو ضعیف ہیں اور بعض سرے سے موضوع۔ ضعیف روایات کو جانے دیجئے کہ اہلِ علم کا ایک طبقہ ان سے استدلال کا قائل ہے۔ لیکن موضوعات تو سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں اور حدیث گھڑنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید شدید ہے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مزید براں ابن قیم کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ احادیث کی تخریج کرتے ہیں اور کتب السنۃ کے مصنفین کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن کتاب الفوائد المشوق میں یہ چیز بالکل مفقود ہے۔ اس کتاب میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کی تخریج کی گئی ہو۔

کتاب الفوائد میں "سہل ممتنع" کے باب میں احادیث نبوی سے کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں یہ روایت بھی ہے:[۲۴]

المعدۃ بیت الداء والحمیۃ رأس کل دواء وعوّدوا کل جسد ما اعتاد۔ — معدہ بیماری کا گھر ہے۔ پرہیز سب سے اہم دوا ہے۔ جسم کو اسی چیز کا عادی بناؤ جس کا وہ عادی ہے۔

حالانکہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدۃ کا قول ہے۔ ایک سے زیادہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس قول کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب درست نہیں۔[۲۵]

اسی طرح "کتاب الفوائد" کے مصنف نے باب التشبیہ میں ایک حدیث درج کی ہے جس کا ذکر کتب بلاغت میں کثرت سے آتا ہے یعنی "اصحابی کالنجوم ----[۲۶] اس کے بارے میں شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔[۲۷]

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مجھے شرح صدر ہو گیا کہ یہ کتاب، ابن قیم کی نہیں ہو سکتی رہا بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ممکن ہے ابن قیم نے یہ کتاب ابن تیمیہ سے ملاقات سے پہلے لکھی ہو

تو اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ یہ بات تو اس وقت کہی جا سکتی تھی جب ابن تیمیہؒ کی جانب اس کی نسبت قطعی ہوتی۔ اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کا زمانہ تالیف ابن تیمیہ سے ملاقات سے پہلے کا ہے تو جیسا کہ استاذ بکر ابو زید نے لکھا ہے۔ ابن قیم اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کرتے اور اس سے رجوع کی صراحت کرتے تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو[۴۸]

آخر میں ہم محدث شہیر استاذ احمد محمد شاکر کی شہادت پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں: "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اس کتاب کے قلمی نسخے پر ابن قیم کا نام جس خط میں لکھا ہے وہ اصل سے مختلف اور زمانہ حال کا ہے۔ چنانچہ اس کے ناشر کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اس کتاب کو ابن قیم کی جانب منسوب نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کاتب نے احتیاط سے کام نہ لیا ہو، خصوصاً اس لئے بھی کہ ابن قیم کی تصنیفات میں یہ کتاب معروف نہیں ہے۔ لیکن ناشر نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اس کو ابن قیم کے نام سے چھاپ دیا۔ فَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"[۴۹]

یہ شہادت ایک محقق عالم کی ہے جو قضا کے دینی منصب پر بھی فائز رہا ہے اور جس کے زمانہ میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کے آخری کلمات سے درد و الم کا جو احساس ٹپکتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جہاں تک کتاب کے نام "کتاب الفوائد المشوق الیٰ علوم القرآن و علم البیان" کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نام گھڑا ہوا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ناشر نے دوسری مرتبہ جب کتاب شائع کی تو اس کا نام "کنوز العرفان فی اسرار و بلاغۃ القرآن" رکھ دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی جانب "کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن و علم البیان" کی نسبت اور کتاب کا یہ نام دونوں ہی جعلی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا اصل مصنف کون ہے؟

۱۔ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے مجھے کتاب کے اندر ہی دو لفظوں

سے ملا جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا۔ مصنف کتاب نے فنون معانی کی ۲۱ ویں قسم کو "الاحتجاج النظری" کا عنوان دیا ہے اور لکھا ہے کہ "بعض ماہرین فن اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ متکلم ایک بات کہہ کر اس پر عقلی استدلال پیش کرے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یس: ۸۱)

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کی جیسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

اس طرح یہ آیت کریمہ:

قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یس: ۷۹)

کہتا ہے کہ بھلا ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔ کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

جری القضاء بما فیہ فلا تلم
ولا ملام علی ما خط بالقلم[۵۰]

ترجمہ: قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا تو اب اس پر ملامت نہ کرو۔ کلک تقدیر نے جو چیز لکھ دی ہو اس پر اعتراض درست نہیں۔

مصنف کا اختیار کردہ عنوان "الاحتجاج النظری" پھر ان کا یہ کہنا کہ بعض علماء نے اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر میں چونکا اور سوچنے لگا کہ اس طرح کی بات میں نے کسی اور کتاب میں بھی پڑھی ہے۔ چنانچہ ابو حیان اندلسی (۷۴۵ھ) کی تفسیر "البحر المحیط" میں سورہ آل عمران آیت ۱۵۵ " قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ

"ھذا النوع عند علماء البیان یسمّی "الاحتجاج النظری" وھو ان یذکر المتکلم معنیً یستدل علیہ بضروب من المعقول، نحو، " لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا "۔ " قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ "۔ "أَوَلَيْسَ الَّذِي

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ"۔ وبعضهم يسميه المذهب الكلامی۔ ومنه قول الشاعر ؎

جری القضاء بما فيه فلا تلم
ولا ملام علی ما خط بالقلم

ابن حیان اندلسی کی اس عبارت کا مقابلہ "الفوائد المشوق" کے سابقہ اقتباس سے کیجیے، تو دونوں میں تقریباً مکمل مطابقت نظر آئے گی۔

جس زمانے میں میں ایم اے کا تحقیقی مقالہ "البلاغة عند ابی حیان فی تفسیرہ البحر المحیط" کے عنوان سے لکھ رہا تھا۔ ابوحیان کی یہ عبارت میری توجہ کا مرکز بنی تھی، اور اس پر میں نے درج ذیل نوٹ لکھا تھا:

"ابوحیان کے اس قول سے کہ بعض لوگ اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مشہور اصطلاح "الاحتجاج النظری" کی ہے۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ علمائے بلاغت کے یہاں رائج اور معروف "المذہب الکلامی" ہے۔ "الاحتجاج النظری" کا ذکر سب سے پہلے ابوحیان کے استاذ ابن النقیب کے یہاں ملتا ہے جیسا کہ سیوطی کی مندرجہ بالا عبارت میں گذر چکا ہے۔"[۳۲]

اس اقتباس میں سیوطی کی جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ علم معانی و بیان پر ان کے منظومہ کی شرح سے ماخوذ ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ "اس فن کو "المذہب الکلامی" کا نام جاحظ نے دیا اور ابن النقیب نے اسی کو "الاحتجاج النظری" سے موسوم کیا ہے۔"[۳۳]

سیوطی علمائے متاخرین میں سے ہیں اور جمع و تدقیق اور ضبط مصطلحات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ قطعیت کے ساتھ ان کا یہ کہنا کہ "الاحتجاج النظری" کے موجد ابن النقیب ہیں قابلِ غور ہے۔

یہاں پہنچ کر مجھے گمان ہوا کہ کہیں "کتاب الفوائد المشوق" ان ہی ابن النقیب کی تصنیف نہ ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے سیوطی کی دی ہوئی معلومات کی تصدیق کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکا بلاغت کی ساری کتابیں، دیکھ ڈالیں۔ لیکن "الفوائد" کے علاوہ کسی کتاب میں بھی "الاحتجاج" کی تعبیر نہ مل سکی۔[۳۴] اس سے میرے شبہ کو تقویت ملی کہ یہ کتاب دراصل ابن النقیب

کا وہ مقدمہ ہے جس کا ذکر ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط کے شروع میں کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت کے پہلو سے قرآن مجید کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے ابو حیان رقم طراز ہیں:

اس کا ماخذ علم بیان اور علم بدیع ہے۔ اس موضوع پر بہت سی تصنیفات ہیں لیکن سب سے جامع دو کتابیں ہیں: ایک ہمارے استاذ امام ادب اور مردِ صالح ابو عبداللہ محمد بن سلیمان النقیب کی ہے جو دو جلدوں میں ہے اور جسے انھوں نے اپنی تفسیر کے لئے بطور مقدمہ لکھا تھا۔ دوسری کتاب ہمارے استاذ امام ادب اور حافظِ متبحر ابو الحسن حازم بن محمد ابن حازم اندلسی انصاری قرطاجنی مقیم تونس کی "منہاج البلغاء وسراج الادباء" ہے۔"[۳۵]

۲۔ پھر ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط میں فن بلاغت پر جو مواد موجود ہے اس کا موازنہ کتاب "الفوائد المشوق" سے کیا گیا تو غیر معمولی مشابہت نظر آئی۔ اس سے میرے خیال کو مزید تقویت ملی۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ "وَاِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ" کی تفسیر میں ابو حیان فرماتے ہیں:

"اس آیت میں بلاغت کی ایک قسم ہے جسے "تتمیم" کہتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ کلام کے بعد کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس سے اس کلام میں پایا جانے والا التباس دور اور بات فہم سے قریب ہو جائے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول: "وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ"[۳۶]

تتمیم کی یہ تعریف "الفوائد" میں دی ہوئی تعریف کے عین مطابق ہے[۳۷] نیز یہ تعریف مجھے اس کتاب الفوائد اور البحر المحیط کے علاوہ بلاغت کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔

اسی طرح ارشاد باری: "مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ مِنۡ سَبِیۡلٍ" کی تفسیر میں ابو حیان نے "تلمیح" پر جو کچھ لکھا ہے[۳۸] وہ بجنسہ الفوائد میں موجود ہے۔[۳۹]

البحر المحیط اور الفوائد کے درمیان زبردست قربت و مشابہت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ سورۃ المومن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ	اور آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا: کیا تم لوگ ایک شخص کو اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ

وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝

(المؤمن: ۲۸)

میرا رب اللہ ہے درآنحالیکہ وہ تمہارے رب کی جانب سے نہایت واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہوا تو اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس کی وہ تم کو وعید سنا رہا ہے۔ اللہ اس کو بامراد نہیں کرے گا جو حد سے گزرنے والا لپاٹیا ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں البحر المحیط میں لکھا ہے:

"صاحب التحریر والتحبیر فرماتے ہیں: یہ علم بیان کی ایک قسم ہے جسے ہمارے علماء نے "استدراج المخاطب" کا نام دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس مرد مومن نے دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا عزم مصمم کر لیا ہے اور قوم ان کی تکذیب پر کمربستہ ہے تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی مدد کرنی چاہی، مگر اس طرح کہ یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ ہے یا وہ ان کے متبعین میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے نصیحت آمیز نرم لہجہ اختیار کیا۔ اور کہا: "کیا تم ایک شخص کو اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے" حضرت موسیٰؑ کا نام نہیں لیا بلکہ صرف "رجلا" کہا۔ گویا نہ وہ ان کو جانتا ہے اور نہ ان کا حامی ہے۔ اس کے بعد "ربی اللہ" کہا۔ "رجلا مومنا باللہ" یا "ہو نبی اللہ" نہیں کہا، کہ اس صورت میں یہ بات فاش ہو جاتی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا ہم نوا ہے۔ اس کے بعد ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے: "وَإِنْ یَكُ كَاذِبًا" جھوٹے ہونے کا ذکر پہلے کرتا ہے کہ یہ فرعون کی رائے کے مطابق ہے۔ اس کے بعد "وَإِنْ یَكُ صَادِقًا" کہتا ہے۔ اس تدریجی اسلوب کے بجائے اگر وہ کہتا کہ "ھو صادق وکل مایعدکم" تو سب جان لیتے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کا طرف دار ہے، انہیں نبی مانتا ہے اور ان کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر وہ ایک ایسا جملہ ادا کرتا ہے جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی "إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ"۔[۵۸]

یہ صاحب التحریر والتحبیر جن کا ذکر ابو حیان نے کیا ہے ان کے شیخ ابن النقیب ہیں۔

اور یہ کتاب ان کی تفسیر کبیر ہے جس کا پورا نام "التحریر والتحبیر لا قوال ائمۃ التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر" ہے۔ اس تفسیر کے لئے انھوں نے فن بلاغت پر ایک طویل مقدمہ لکھا تھا جو بعد میں "مقدمہ ابن النقیب" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مقدمہ کا ذکر ابو حیان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے جن میں سر فہرست بدرالدین زرکشی (۷۹۴ھ) ہیں۔ انھوں نے بھی اس مقدمہ کی توصیف میں لکھا ہے کہ فن بلاغت پر سب سے جامع تصنیف ہے[۴۱]۔ ابن السبکی نے بھی اپنی کتاب عروس الافراح کے مآخذ میں اس مقدمہ کا ذکر کیا ہے[۴۲]۔

فصاحت و بلاغت سے متعلق مباحث میں البحر المحیط اور کتاب الفوائد المشوق کے درمیان اس گہری مطابقت و مشابہت نے ڈاکٹر محتسب کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالہ "ابو حیان اندلسی کا تفسیری منہاج" میں لکھا کہ ان مباحث کے مآخذ "کتاب الفوائد المشوق" کا ذکر ابو حیان نے تفسیر کے مقدمہ میں نہیں کیا اور بلا حوالہ اس سے اقتباسات نقل کئے ہیں[۴۳]۔

الغرض تفسیر البحر المحیط کے مذکورہ مطالب اور الفوائد المشوق کے مابین اس غیر معمولی مماثلت اور مصنف کی مخصوص اصطلاح "الاحتجاج النظری" سے جس میں وہ منفرد ہیں۔ مجھے کسی قدر یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ کتاب الفوائد دراصل ابو حیان کے شیخ ابن النقیب کا مقدمہ تفسیر ہے۔

۳۔ اس کے بعد میں نے مختلف کتابوں میں ابن النقیب کے حوالوں کی جستجو شروع کی اور اس تلاش و تحقیق میں بعض دلچسپ حقائق سامنے آئے۔ بدیع کی اقسام میں توریہ پر گفتگو کرتے ہوئے سیوطی لکھتے ہیں:

"توریہ کے بارے میں بعض لوگوں نے ایک عجیب قول نقل کیا ہے کہ توریہ یہ ہے کہ متکلم ایک ہی لفظ کو دو بار متصل استعمال کرے مگر دونوں کا محل مختلف ہو۔ مثلاً آیت کریمہ: "مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" میں لفظ "اللہ" دو بار آیا ہے، پہلی جگہ مضاف الیہ ہے اور دوسری جگہ مبتدا۔ اسی طرح ارشاد باری "اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ" میں پہلا "فیہ" "تقوم" سے متعلق ہے اور دوسرا "رجال" کی خبر کے طور پر آیا ہے۔ اندلسی نے ابن النقیب کی تفسیر سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک جس نے قول نقل کیا ہے اس سے تصحیف ہو گئی

ہے۔ کیونکہ یہ تو بدیع کی وہ قسم ہے جسے "تردید" کہتے ہیں اور اطناب کی بحث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ ناقل نے "تردید" کو بدل کر "توریہ" کر دیا۔ بعد میں ابن مالک کی کتاب المصباح دیکھی تو اس میں "تردید" کی مثال میں پہلی آیت نظر آئی اس سے میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔"[۴۴]

اللہ تعالیٰ سیوطی پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ ان کی اس عبارت سے میری ساری الجھن دور ہو گئی۔ توریہ کی یہ نادر تعریف جس کی طرف سیوطی نے اشارہ کیا ہے۔ "الفوائد المشوق" میں میری نظر سے گزری تھی اور میں نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر یہ نوٹ لکھا تھا کہ یہ بات توریہ کی مشہور تعریف کے خلاف ہے۔[۴۵] اور اب سیوطی کی یہ عبارت صاف بتا رہی تھی کہ توریہ کی یہ عجیب و غریب تعریف ابن النقیب کی ہے۔

سیوطی کی مندرجہ بالا عبارت پر میں نے دوبارہ غور کیا۔ مجھے خیال آیا کہ "الاندلسی" سے مراد شائد ابوجعفر اندلسی ہوں اور ممکن ہے یہ عبارت ان کی اس کتاب میں ہو جو انھوں نے اپنے دوست ابن جابر کے قصیدۂ بدیعیہ کی شرح میں لکھی ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس شرح کے جو "الحلة السیرا فی مدح خیر الوریٰ" کے نام سے مشہور ہے، کئی نسخے محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہ عبارت اس شرح میں مل گئی اور طے ہو گیا کہ اندلسی سے سیوطی کی مراد یہی ابوجعفر احمد بن یوسف بن مالک رعینی غرناطی (۷۷۹ھ) ہیں۔ ابوجعفر نے توریہ کی مشہور تعریف ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"توریہ کی تعریف میں ہم نے جو کچھ کہا ہے وہی علماء کے یہاں متداول ہے۔ لیکن ابن النقیب نے اپنے مقدمۂ تفسیر میں توریہ کی ایک نادر تعریف لکھی ہے۔"[۴۶]

اس کے بعد وہی عبارت ہے جو سیوطی کی کتاب سے ابھی ہم نقل کر آئے ہیں۔

ابوجعفر کی کتاب سے براہ راست رجوع کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ یہ صراحت مل گئی کہ یہ تعریف ابن النقیب کے مقدمۂ تفسیر سے ماخوذ ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف یہ ثابت ہوا کہ کتاب الفوائد دراصل ابن النقیب کا مقدمۂ تفسیر ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لفظ توریہ کی تصحیف اس کتاب میں بہت قدیم ہے، چنانچہ ابوجعفر اندلسی (۷۷۹ھ) کے پیش نظر جو نسخہ تھا اس میں یہ موجود تھی۔ بعض لغزشیں کتنی مبارک ہوتی ہیں! دیکھئے اس غلطی نے اس

کتاب کی نسبت کی تصحیح میں ہماری کتنی مدد کی۔

۴۔ ابن النقیب کا ایک اور اقتباس سیوطی نے کتاب الاتقان میں "تضمین" کی بحث میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "تضمین کی مثال میں ابن النقیب وغیرہ نے قرآن کریم کی وہ آیات بھی پیش کی ہیں جن میں مخلوقات کی زبان سے ان کی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ مثلاً ملائکہ کا یہ قول: "أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا" یا منافقین کا یہ قول: "أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ"۔"

یہاں تک جو بات کہی گئی ہے اس میں جیسا کہ واضح ہے ابن النقیب کے ساتھ دوسرے علماء بھی شریک ہیں مگر اس کے بعد یہ جملہ ہے: "قال: وكذلك ما اودع فيه من اللغات الاعجمية"[۴۷] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہ عجمی الفاظ جو قرآن میں آئے ہیں ان پر بھی تضمین کا اطلاق ہوتا ہے" صرف ابن النقیب نے کہی ہے۔[۴۸] اب ملاحظہ ہو" الفوائد المشوق" ص ۱۱۷۔۱۱۸۔ یہ پورا اقتباس اس میں مل جائے گا۔

۵۔ کتاب الفوائد کسی تفسیر کا مقدمہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصنف نے اس کی آخری فصل میں ان الفاظ" قرآن، سورہ، آیت، کلمہ، حرف" کے اشتقاق اور ان کے معانی پر بحث کی ہے اور اس کی تاخیر پر یوں معذرت بھی کی ہے: "حق تو یہ تھا کہ ان الفاظ کے اشتقاق اور معانی کا بیان کتاب کے شروع میں ہوتا۔۔۔۔۔۔"[۴۹]

پھر یہ بات کہ" یہ کتاب فن بلاغت پر تفسیر قرآن کے لئے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے تاکہ قرآن فہمی میں معاون ثابت ہو" کتاب کے خطبہ ہی سے واضح ہو جاتی ہے جس میں مصنف نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی جانب اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ" قرآن مجید کی فضیلت اسی پر منکشف ہو سکتی ہے جو کلام عرب سے آشنا ہو۔ اور فصاحت و بلاغت کی اقسام سے واقف ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص قرآن کریم پر غور و فکر کا اہل نہیں اور دوسرے کلام پر اس کے تفوق اور اس کی انفرادیت کو محسوس نہیں کر سکتا۔"[۵۰]

اس کے بعد فرماتے ہیں: "ہم اپنی اس کتاب میں علم بیان کے کچھ بنیادی اصول اور فوائد اور قرآن کریم سے اس کی مثالیں پیش کریں گے تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ جو شخص اس علم سے نابلد ہو وہ قرآن کے معانی سمجھنے سے قاصر رہے گا۔"[۵۱]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "اس کتاب سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کی اقسام اور بدیع کے جو لطائف پوشیدہ ہیں ان کو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔"[۵۲]

یہ تمام اقتباسات شہادت دیتے ہیں کہ یہ کتاب جس کا موضوع فن بلاغت ہے دراصل تفسیر قرآن کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔

مقالہ کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مصنف ابن النقیب کے مختصر حالات قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔[۵۳]

پورا نام یہ ہے: ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان بن الحسن بن الحسین البلخی الاصل المقدسی[۵۴] الحنفی[۵۵] جمال الدین لقب ہے۔ ابن النقیب شہرت ہے۔ شعبان ۶۱۱ھ میں بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ صاحب "الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل" نے سن پیدائش ۶۲۱ھ لکھا ہے اس کے بعد پہلا قول بھی نقل کیا ہے۔[۵۶]

حافظ ذہبی نے "الامام القاضی المفسر العلامۃ الزاھد" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔[۵۷]

مصنف "الجواھر المضیئہ" نے لکھا ہے: "ابن النقیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں پیش پیش رہتے تھے۔ کسی بھی صاحب سطوت سے خوف نہ کھاتے۔ ایک بار امیر علم الدین سنجر شجاعی سے کہا: تم ظالم ہو، اللہ سے نہیں ڈرتے۔ اس نے تحمل سے سنا؛ اس کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی، چنانچہ انھیں راضی کرنے کی کوشش کی۔"[۵۸]

صفدی نے بھی ابن النقیب کی نیکی، پرہیزگاری اور تواضع کا ذکر کیا ہے۔[۵۹]

ذہبی نے معجم الشیوخ میں لکھا ہے کہ حدیث میں ابن النقیب کے شیخ یوسف المخیلی[۶۰] تھے۔ ان کا پورا نام ابو الفضل یوسف بن عبد المعطی بن منصور الاسکندرانی تھا۔ مسلکاً مالکی تھے۔ "برقہ" کے علاقہ میں ایک جگہ "مخیل" کے رہنے والے تھے۔ حافظ سلفی اور دوسرے علماء سے حدیث کی روایت کی۔ ۶۴۲ھ میں انتقال ہوا۔[۶۱]

ابن النقیب کا تذکرہ ابن الملقن نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں کیا ہے اور اپنے

خرقۂ تصوف کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں ابن النقیب ان کے شیخ کے شیخ ہیں۔ ابن النقیب نے یہ خرقہ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) صاحب عوارف المعارف سے حاصل کیا تھا۔[۶۲]

فن حدیث میں ابن النقیب کے تلامذہ میں حافظ ذہبی سرفہرست ہیں۔ انھوں نے المعجم الکبیر میں اپنے استاذ کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے اور اختصار کے لئے "محمد بن سلیمان البلخی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے حدیث کی سماعت ابن النقیب سے اس زمانے میں کی جب وہ مصر میں مقیم تھے۔[۶۳]

حدیث میں ابن النقیب کے ایک ممتاز شاگرد مشہور مؤرخ و محدث علم الدین البرزالی (۷۳۹ھ) بھی ہیں۔ نام القاسم بن محمد تھا۔ اصلاً اشبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ مصر و حجاز کا سفر کیا۔ البرزالی کی نسبت ایک بربری قبیلہ "برزالہ" کی جانب ہے۔[۶۴]

حدیث میں ابن النقیب کے ایک اور شاگرد ابن سامہ ہیں جن کا پورا نام محمد بن عبدالرحمن بن سامہ ہے۔ ۶۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر کے علماء سے حدیث کی سماعت کی۔ قاہرہ میں ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

ابن النقیب کے تلامذہ میں نحو و لغت اور تفسیر کے مشہور امام ابوحیان اندلسی بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے بظاہر ان سے فن تفسیر میں استفادہ کیا تھا۔[۶۶]

حواشی اور حوالہ جات

۱ھ سرکیس نے ایک اور ایڈیشن کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس سے بھی پہلے ۱۳۱۸ھ میں مصر میں چھپا تھا۔ ملاحظہ ہو: معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ ۱: ۲۲۴ (مترجم)

۲ھ محمد امین خانجی ۱۸۶۵ء میں حلب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر قاہرہ منتقل ہوئے۔ جہاں مکتبۃ الخانجی کی بنیاد ڈالی اور عربی کی بہت سی نادر کتابیں شائع کیں۔ ۱۹۳۹ء میں وفات پائی۔ ان کے حالات کے لئے دیکھئے ڈاکٹر محمود طناحی کی کتاب "مدخل الی تاریخ نشر التراث العربی" ص ۵۹۔

۳ھ پورا نام محمد بن مصطفیٰ بن رسلان نعسانی حلبی ہے۔ عربی کے ادیب و شاعر تھے ۱۲۹۸ھ میں حلب میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا۔ مصر میں آٹھ سال تک ازہر میں مقیم رہے جہاں کتابوں کی تصحیح اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر طناحی کی مذکورہ بالا کتاب۔ ص ۶۱

۴ھ اس کے بعد جو ایڈیشن نکلے وہ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اسی طبع اولیٰ سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً اس میں ناشر کا نام اور طبع اول کی تاریخ حذف کردی گئی ہے۔ اسی طرح مقدمہ کا کچھ حصہ بھی خارج کردیا ہے۔ مکتبۃ المتنبی قاہرہ نے پہلے اس کتاب کا عکس لیا پھر اس کو از سرِ نو کمپوز کرکے چھاپا۔ عجیب بات یہ ہے کہ آخر میں دارالکتب العلمیہ بیروت نے اس دعوے کے ساتھ اسے شائع کیا کہ اس کی تحقیق مستند مخطوطات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ یہ دعویٰ مضحکہ خیز بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔ کیونکہ یہ ایڈیشن اپنے تمام تر محذوفات وتحریفات کے ساتھ مکتبۃ المتنبی کے ایڈیشن کا چربہ ہے!

۵ھ اعجاز القرآن للرافعی: ۲۱۰۔ ۶ھ ایضاً: ۲۵۶

۷ھ البلاغۃ عند السکاکی: ۳۵۷۔ ۸ھ البلاغۃ تطور وتاریخ: ۳۱۹-۳۲۰۔

۹ھ ابن قیم الجوزیہ۔ حیاتہ وآثارہٗ: ۱۸۴۔ میرا گمان تھا کہ مجھ سے قبل بکر ابو زید وہ پہلے شخص ہیں جن کو اس کتاب کی نسبت پر شک ہوا، مگر ڈاکٹر عبدالالہ بنہان (جامعۃ البعث، حمص) نے توجہ دلائی کہ بہت پہلے ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء، میں مجلۃ المنار (جلد ۱۹ ص ۱۲۰) میں استاذ احمد محمد شاکر اپنے شبہ کا اظہار کرچکے ہیں۔

۱۰ھ ابن قیم الجوزیہ۔ حیاتہ وآثارہٗ: ۱۱۲-۱۱۶۔ ۱۱ھ مختصر الصواعق المرسلۃ: ۲۸۴۔

۱۲ھ ایضاً: ۲۸۵۔ ۱۳ھ ایضاً: ۲۸۷۔

۱۴ھ ایضاً: ۲۸۴ - ۳۶۴ ۱۵ھ ایضاً: ۳۶۵-۵۰۹۔

۱۶ھ کتاب الفوائد المشوق: ۹-۸۷۔ ۱۷ھ ملاحظہ ہو ڈاکٹر صبری کی کتاب "منہج اہل السنۃ فی تفسیر القرآن الکریم۔ دراسۃ موضوعیۃ لجہود ابن القیم فی التفسیر": ۴۳۱۔

۱۸ھ الفوائد المشوق: ۱۰۶۔ ۱۹ھ ایضاً: ۴۴۔

۲۰ھ ایضاً: ۱۳۔ ۲۱ھ مضمون نگار کی یہ بات درست نہیں۔ ابن قیم نے اجتماع الجیوش الاسلامیہ: ۱۲۱ میں امام رازی کو "الامام فخر الدین الرازی" لکھا ہے (مترجم)

۲۲ھ الفوائد المشوق: ۳۲۷ (دارالکتب العلمیۃ) ۲۳ھ حوالہ اصل مضمون کے حواشی میں طباعت کی غلطی سے نہ آسکا البتہ مختصر الصواعق (دارالکتب العلمیہ ۱۹۸۵ء) ص ۵۵ نیز ابو العلاء کے لئے: "اعمی البصیرہ" کا لفظ ملا۔ (مترجم)

۲۴ھ الفوائد المشوق: ۲۲۳۔ ۲۵ھ زاد المعاد ۲: ۹۸

۲۶ھ الفوائد المشوق: ۵۶۔ ۲۷ھ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱: ۴۳۔

۲۸ھ ابن قیم الجوزیہ حیاتہ وآثارہ: ۱۸۵۔ ۲۹ھ مجلۃ المنار، جلد ۱۹، ص ۱۲۰ سنہ ۱۳۳۴ھ

۳۰ھ الفوائد المشوق: ۱۳۶۔ ۳۱ھ البحر المحیط ۳: ۸۹۔

۳۲ھ "البلاغۃ عند ابی حیان الاندلسی فی تفسیرہ البحر المحیط" اس کا مخطوطہ دار العلوم۔ جامعۃ القاہرہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

۳۳ھ شرح عقود الجمان فی علم المعانی والبیان: ۱۲۳۔

۳۴ھ نیز ملاحظہ ہو: معجم مصطلحات البلاغیہ وتطورہا ۱: ۷۔ محمد بن علی الجرجانی (۷۲۹ھ) نے "المذہب الکلامی" کا نام "المحاجۃ" رکھا ہے۔ دیکھیے ان کی کتاب "الاشارات والتنبیہات فی علم البلاغۃ: ۸۰)

۳۵ھ البحر المحیط ۱: ۶۔ ۳۶ھ ایضاً: ۲: ۱۱۷۔

۳۷ھ الفوائد المشوق: ۹۰۔ ۳۸ھ البحر المحیط: ۵: ۸۵۔

۳۹ھ الفوائد المشوق: ۱۶۲۔ ۴۰ھ البحر المحیط: ۷: ۴۶۱۔ اس کا موازنہ الفوائد المشوق ۴۱۳-۴۱۴ سے کیجیے۔ اس تشریح میں اس جملہ کو نظر انداز کر دیا گیا کہ "درانحالیکہ وہ تمہارے رب کی جانب سے نہایت واضح نشانیاں لے کر آیا ہے"۔ یہ جملہ صاف بتاتا ہے کہ یہ مرد مومن حضرت موسیٰؑ کا ہم نوا ہے۔ (مترجم)

۴۱ھ البرہان فی علوم القرآن ۱: ۳۱۱۔ ۴۲ھ عروس الافراح ۱: ۳۱۔

۴۳ھ ملاحظہ ہو ڈاکٹر محتسب کا مقالہ "منہج ابی حیان فی تفسیرہ البحر المحیط" ص ۲۵، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۵ (جامعۃ القاہرہ) ۴۴ھ شرح عقود الجمان: ۱۱۵۔

۴۵ھ الفوائد المشوق: ۱۳۶۔ ۴۶ھ الحلۃ السیرا فی مدح خیر الوریٰ: ۱۵۲ (مخطوطہ دار الکتب المصریہ نمبر ۲۸۲ بلاغت) ۴۷ھ الاتقان ۳: ۲۷۰۔ سیوطی نے معترک الاقران ۱: ۳۸۸-۳۸۹ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیے البرہان فی علوم القرآن ۳: ۳۴۴۔

۴۸ھ "عجمی الفاظ" کے بجائے "معرب الفاظ" کہنا موزوں تھا (مترجم)

۴۹ھ الفوائد المشوق: ۲۴۴۔ ۵۰-۵۱ھ ایضاً: ۵، ۷، ۸۔ ۵۲ھ ایضاً: ۲۲۵۔

۵۲ ابن النقیب کے حالات کے لئے درج ذیل مآخذ ملاحظہ ہوں:

معجم الشیوخ للذہبی: ۲: ۱۹۳، العبر فی خبر من غبر ۳: ۳۹۲ - ۳۹۳۔ المعین فی طبقات المحدثین: ۲۲۳، الوافی بالوفیات ۳: ۱۳۶، فوات الوفیات ۲: ۳۱۴، البدایہ والنہایہ: ۱۴: ۴-۵، الجواہر المضیہ ۳: ۱۶۵-۱۶۶۔ النجوم الزاہرۃ ۸: ۱۸۸، الدلیل الشافی علی المنہل الصافی ۲: ۶۲۵-۶۲۶۔ طبقات المفسرین للسیوطی: ۱۰۰، حسن المحاضرۃ ۱: ۴۶۷، الانس الجلیل ۲: ۲۱۷، طبقات المفسرین للداؤدی ۲: ۱۴۴، السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۱: ۸۸۱، شذرات الذہب ۵: ۴۴۲، الفوائد البہیۃ: ۱۶۸، الاعلام ۶: ۱۵۰،

۵۴ مطبوعہ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۲ میں "المقدسی" کے بجائے "الدمشقی" لکھا ہے جو بظاہر تحریف ہے۔

۵۵ شذرات الذہب ۵-۴۴۲ میں "حنبلی" لکھا ہے۔ یہ بھی تحریف ہے۔

۵۶ الانس الجلیل ۲: ۲۱۷۔ نیز الفوائد البہیۃ: ۱۶۹۔

۵۷ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۳۔

۵۸ الجواہر المضیہ ۳: ۱۶۵۔ نیز دیکھئے طبقات المفسرین للداؤدی ۲: ۱۴۵۔ علم الدین سنجر شجاعی، ظالم شخص تھا۔ ۶۹۳ھ میں اسے قتل کیا گیا۔

۵۹ الوافی بالوفیات ۳: ۱۳۷۔ ۶۰ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۳۔

۶۱ سیر اعلام النبلا ۲۳: ۱۱۶-۱۱۷، شذرات الذہب ۵: ۲۱۶۔

۶۲ طبقات الاولیا: ۵۰۴۔ ۶۳ المعجم الکبیر ۲: ۱۹۳-۱۹۴۔

۶۴ حالات کے لئے ملاحظہ ہو: فوات الوفیات ۲: ۱۳۰

۶۵ الجواہر المضیہ کا جو ایڈیشن ڈاکٹر عبد الفتاح الحلو کی تحقیق سے چھپا ہے اس میں "ابو شامہ" ہے محقق نے لکھا ہے کہ یہ ان کی تصحیح ہے۔ حالانکہ صحیح "ابن اسامہ" ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الدرر الکامنہ: ۴: ۱۱۷-۱۱۸۔ ۶۶ البحر المحیط ۱: ۱۱۔